ڈاکٹر گوہر نوشاہی

جامع الاشعار: ایک گمنام تذکرہ

اردو شعراء کے تذکروں میں درسی حوالے سے جنھیں شہرت حاصل ہوئی ان میں مولوی امام بخش صہبائی کا تذکرہ ''انتخاب دواوین'' اور مولوی کریم الدین پانی پتی کا تذکرہ ''گلدستہ نازنیناں'' خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ''انتخاب دواوین'' ۱۸۴۳ء میں لکھا گیا اور گلدستہ نازنیناں کا سال تصنیف ۱۸۴۵ء ہے۔ دونوں تذکرے ہم عصر ہیں اور دونوں کا موضوع شعرا کا انتخاب کلام ہے۔ علاوہ ازیں ان دونوں میں ایک قدر مشترک یہ بھی ہے کہ دونوں کے دیباچے عروض و قواعد کے اہم مباحث' تاریخِ شعر اور اصناف سخن کے بارے میں معلومات کے حامل ہیں۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری کا خیال ہے کہ گلدستہ نازنیناں کو انتخاب دواوین کی مدد سے مرتب کیا گیا ہے۔ (نگار پاکستان' تذکروں کا تذکرہ نمبر ص۔ ۷۵) دونوں تذکروں کے مصنفین معاصر ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے دور کے ادبی منظر نامے پر نمایاں نظر آتے ہیں لیکن جو چرچا اور قبول عام ''انتخاب دوادین'' کو حاصل ہوا وہ گلدستہ نازنیناں کے حصے میں نہ آیا۔ مرزا غالب کے خطوط میں انتخاب دوادین کا ذکر اپنے عہد میں اس تذکرے کی مقبولیت کو ظاہر کرتا ہے۔ (عود ہندی بنام سعدالدین شفق)۔ مولوی امام بخش صہبائی کو اس نوعیت کی تذکرہ نگاری میں اولیت ضرور حاصل ہے لیکن محققین کے نزدیک اس میں تحقیقی اور تنقیدی شعور دونوں کی کمی ہے۔ علاوہ ازیں صہبائی کے حسن انتخاب کو بھی غیر معمولی تسلیم نہیں کیا گیا۔ معاصرین میں سے مرزا غالب تو مولوی امام بخش صہبائی کی تحقیقی اور ادبی حیثیت کے بالکل قائل نہیں تھے:

> ''اے وائے اس ہیچ و پوچ پر جس کو صہبائی کا تلمذ موجب عز و وقار ہو''
>
> (عود ہندی ص ۲۲۶)

ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی کی انتخاب دوادین کے تحقیقی پہلو کے بارے میں رائے ہے:

> ''شعرا کے تذکرے سے کسی نئی معلومات کا اظہار نہیں ہوتا۔۔۔شعرا کے بارے میں صہبائی کے بیانات کی سطحیت' ناکافی معلومات اور ان کے مراتب کے بارے میں سکوت

ان تعارفی کلمات میں کم وبیش ہر جگہ نمایاں ہے۔ (مقالہ افتتاحیہ مشمولہ انتخاب دوادین ص (۴۰-۴۱) ''تنقیدی رائیں بھی بہت سرسری اور سطحی ہیں'' (مقدمہ انتخاب دوادین ص ۲۰)

جامع الاشعار کے مطالعے سے یہ امر واضح ہے کہ یہ تذکرہ بھی صہبائی کے انتخاب دوادین کے زیر اثر مرتب کیا گیا۔ ان دونوں تذکروں کی مشترک اقدار اور تشابہات و اختلافات پر گفتگو سے پہلے مناسب ہو گا کہ جامع الاشعار کے مصنف اور سبب تالیف کے بارے میں چند امور پیش کر دیئے جائیں۔

جامع الاشعار کے مصنف ریورنڈ ایڈورڈ سیل ۱۸۳۹ء میں لندن میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام ولیم جان سیل تھا۔ ایک پرائیویٹ سکول اور ایم۔سی۔ ایس کالج لندن سے تعلیم حاصل کی۔ ۱۸۶۵ء سے ۱۸۸۰ء تک مدراس میں مسلمانوں کے ایک تعلیمی ادارے حارث ہائی سکول مدراس میں ہیڈ ماسٹر رہے۔ ۱۸۸۰ء سے ۱۹۰۵ء تک چرچ مشن سوسائٹی مدراس کے سیکرٹری اور ۱۸۷۴ء میں مدراس یونیورسٹی کے فیلو تھے۔ ۱۹۰۱ء میں ایڈورڈ سیل سینٹ جارج کیتھیڈرل مدراس میں اعزازی کینن (پادری) اور ۱۹۰۲ء میں ایڈنبرگ یونیورسٹی میں ڈائریکٹر الٰہیات تھے۔ اس سے قبل ۱۹۰۰ء میں وہ مدراس کے بشپ کے چیپلن اور ۱۸۹۶ء میں مدراس یونیورسٹی میں عربی، فارسی اور ہندوستانی کے بورڈ آف سٹڈیز کے چیئرمین کے فرائض بھی انجام دے چکے تھے۔

ایڈورڈ سیل کی تصنیف و تالیف کا سلسلہ ۱۸۹۶ء میں شروع ہوا۔ چنانچہ اس سال انھوں نے Faith of ISlam تصنیف کی۔ ۱۹۰۱ء میں انھوں نے Essays on Islam لکھی اور ۱۹۰۵ء میں ان کی تصنیف "Historical Development of the Koran" معرض وجود میں آئی۔ ایڈورڈ سیل رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے ممبر بھی تھے۔

(Dictionary of Indian Biography, Page 382)

جامع الاشعار جس طرح اس کی اشاعت اوّل کے سرورق کی عبارت سے ظاہر ہے ایڈورڈ سیل کی مدراس یونیورسٹی میں فیلوشپ کے زمانے یعنی ۱۸۷۴ء میں تصنیف ہوا اور اس کی اشاعت تصنیف کے نو برس بعد اکتوبر ۱۸۸۳ء میں مطبع نظام المطابع مدراس سے ہوئی۔ مصنف سے اس تذکرہ کی فرمائش ایچ۔بی۔ گریک، ڈائریکٹر تعلیمات مدراس نے کی تھی۔

Scanned by CamScanner

جامع الاشعار کے مصنف نے کتاب کے آغاز میں کوئی دیباچہ تحریر نہیں کیا جس سے تذکرے کے سبب تالیف ماٰخذ یا روشِ انتخاب پر روشنی پڑتی ہو البتہ جس طرح پہلے عرض کیا گیا، متن کے بغور مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ امام بخش صہبائی کا تذکرہ انتخاب دواوین بطورِ نمونہ ایڈورڈ سیل کے سامنے تھا۔ دونوں تذکروں کے تشابہات میں درج ذیل امور قابلِ ذکر ہیں۔

۱۔ دونوں تذکرے یورپی افسروں کی فرمائش پر لکھے گئے۔ انتخاب دواوین کو صہبائی نے دہلی کالج کے پرنسپل بوترس کی فرمائش پر لکھا اور جامع الاشعار ڈائریکٹر سررشتہ تعلیم ممالک اتنی۔ بی۔ گریک کے ایما پر تصنیف ہوا۔

۲۔ دونوں تذکروں کی بنیاد بیاض نویسی پر ہے' انتخاب کلام میں ذوق شعر اور معیار متفاوت سہی' دونوں کا بنیادی مقصد قارئین میں ذوق شعر کو بڑھانا اور انتخاب شعر کے حوالے سے شعرا کے بارے میں معلومات مہیا کرنا ہے۔

۳۔ دونوں تذکروں کی تصنیف کا مقصد طلبہ کی درسی ضروریات پورا کرنا ہے۔ صہبائی کے سامنے دہلی کالج کے طلبہ تھے جبکہ ایڈورڈ سیل کے قاری زیادہ تر مدراس یونیورسٹی کے طالب علم تھے۔

متفاوت امور میں قابل ذکر بات تو یہ ہے کہ ایڈورڈ سیل مولوی امام بخش صہبائی کے تذکرے سے پوری طرح آگاہ اور آشنا ہونے کے باوجود نہ ان کے انتخاب کو اپناتے ہیں اور نہ ان کے دیے ہوئے شعرا کے تحقیقی اور تنقیدی کوائف سے مطمئن ہیں۔ ان کے ہاں اہم اور غیر اہم شعراء کے انتخاب میں صہبائی سے اختلاف بالکل نمایاں ہے۔ ایڈورڈ سیل کے ہاں صہبائی کے منتخب کردہ شعراء جرأت' نصیر اور ممنون کے بجائے مصحفی' انشاء اور غالب نظر آتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ ایڈورڈ سیل کا انتخاب شعر' خوش ذوقی کا نمونہ اور معیاری ہے جبکہ صہبائی کے انتخاب کے بارے میں صاحبان نقد و نظر کی رائے اس سے مختلف ہے۔ مثال کے طور پر ڈاکٹر ظہیر صدیقی انتخاب دواوین پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''صہبائی کا انتخاب ایک اچھے درسی انتخاب کے مقتضیات کو بھی پورا نہیں کرتا۔''

(ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی' افتتاحی مقالہ مشمولہ انتخاب دواوین ص ۴۴)

انتخاب کلام کے علاوہ صہبائی اور ایڈورڈ سیل کے درمیان تحقیق و تنقید کے معیارات میں بھی فرق ہے۔ ایڈورڈ سیل تحقیقی معلومات دینے میں صہبائی کے مقابلے میں زیادہ ٹھوس اور پختہ کار ہیں اور تنقیدی

Scanned by CamScanner

بصیرت میں صہبائی سے زیادہ نکتہ رس ہیں۔ بے موقع نہیں ہوگا اگر دونوں تذکروں سے چند ایک تراجم سامنے رکھ لیے جائیں:

(۱) میر تقی میر : انتخاب دواوین میں:

''میر تخلص، محمد تقی نام، رہنے والا اکبرآباد کا، بھانجا نواب سراج الدین علی خان آرزو کا ہے۔ ابتدائے حال شاہ جہان آباد میں آیا اور یہاں سے بے نیل مرام لکھنؤ کو گیا۔ وہاں جا کر سرکار والا تبار نواب وزیر الممالک میں معزز و ممتاز ہوا اور وہیں انتقال کیا۔ اس کی تعریف میں زبان انسان کی عاجز ہے۔ ریختہ گوئی اور محاورات میں شاعر بے بدل، بلکہ شاعر نہ تھا، ساحر تھا'' (۱٦۷)

میر تقی میر : جامع الاشعار میں

تخلص میر، محمد تقی اکبرآبادی ولد میر عبداللہ ہمشیرہ زادہ و شاگرد سراج الدین علی خان آرزو۔ عنفوان شباب میں دہلی میں (آ) گئے تھے۔ وہاں سے لکھنؤ میں جا کر سکونت اختیار کی۔ نواب آصف الدولہ بہادر کی سرکار سے ان کا وظیفہ مقرر ہوا تھا۔ ۱۲۲۵ھ (بارہ سو پچیس ہجری) میں وفات کی۔ سوائے قصیدہ کے جمیع اصناف سخن پر قادر تھے۔ اشعار ان کے بغایت مرتبہ رتبہ بلند رکھتے ہیں۔ فرط اشتہاد سے حاجت بیان نہیں۔ مثنوی و غزل گوئی میں استاد مسلم الثبوت گزرے (ہیں)۔ ان کی استادی سے کسی کو انکار نہیں۔ ان کے چھ دیوان ریختہ مع قصاید و مثنوی نظر سے گزرے۔ ایک دیوان فارسی اور ایک تذکرہ شعرا اور ایک رسالہ میر فیض (فیض میر؟) بھی ان سے یادگار ہیں۔'' (ص ۵۲)

۲۔ امام بخش ناسخ : انتخاب دواوین میں:

ناسخ تخلص، شیخ امام بخش نام، لکھنوی، تمام عمر لکھنو میں بسر کی۔ ایک دفعہ وہاں کے حاکم سے کچھ رنجیدہ ہو کر الہ آباد چلا گیا۔ پھر وہاں سے کانپور میں آیا۔ بعد اس کے زمانہ جو موافق ہوا، وطن پھر گیا۔ اب دو تین برس ہوئے کہ اس جہاں فانی سے طرف عالم جاودانی کے رحلت کی۔ الغرض کہ ناسخ، ناسخ تھا شعراء سلف کا۔'' (ص ۲۸٦)

Scanned by CamScanner

امام بخش ناسخ : جامع الاشعار میں:

ناسخ تخلص ہے شیخ امام بخش ولد خدا بخش کا۔ بقولے خدا بخش لاہوری خیمہ دوزی کرتے تھے اور شیخ ناسخ ان کے متبنیٰ تھے۔ مولد ناسخ فیض آباد تھا اور مسکن لکھنؤ۔ ۱۲۵۴ ہجری میں انتقال کیا اور مقام ٹکسال واقع چوک قدیم لکھنؤ اپنے گھر میں مدفون ہوئے۔ میر علی اوسط رشک نے یہ مصرع تاریخ وفات اجر کہا ہے۔

ع وا شعر گوئی اٹھی لکھنؤ سے

شاعری میں کسی کے شاگرد نہ تھے ان کے مکان پر بڑے بڑے استاد جمع ہوتے تھے انہی کی صحبت میں شوق شعر گوئی بڑھا۔ رفتہ رفتہ محنت کر کے استاد نکلے۔ علوم عربیہ خصوص منطق اور علم فارسی صرف حافظ وارث علی لکھنوی سے حاصل کیا۔ زمانہ غازی الدین حیدر بادشاہ میں ان کی شاعری کو نہایت ترقی ہوئی یہاں تک کہ بادشاہ نے ان کا شعر سن کر معتمد الدولہ وزیر سے کہا کہ اگر ناسخ حضور کی ملازمت حاصل کرے تو خطاب ملک شعراء اسے مل سکتا ہے۔ شیخ نے منظور نہ کیا اور یہ کہا کہ اگر مرزا سلیمان شکوہ شہزادہ دہلی یا گورنر جنرل کی طرف سے مجھے یہ خطاب ملے تو البتہ راضی ہوں۔ بادشاہ یہ سن کر ناراض ہو گئے اور حکم اخراج کا دیا۔ ناسخ الٰہ آباد کو چلے گئے اور وہاں محلہ دائرے میں مقیم رہے چنانچہ خود کہا ہے:

بیت:

پھر پھر کے دائرے ہی میں رکھتا ہوں میں قدم
آئی کہاں سے گردش پر کار پاؤں میں

ان کی تصنیفات میں ایک کلیات اور ایک مثنوی حدیث مفصل جس کا نام رشک نے نظم سراج رکھا ہے، موجود ہے۔ ان کے بہت شاگردان نامی صاحب دیوان ہیں۔" (ص ۵۵)

ان دو تراجم کے تقابلی جائزے سے واضح ہو جاتا ہے کہ ایڈورڈ سیل کا زیر مطالعہ تذکرہ امام بخش صہبائی کے مقابلے میں کس قدر پیش قدم اور وقیع ہے۔ ایڈورڈ سیل کے تحقیقی اور تنقیدی شعور کا اندازہ شعراء کے بارے میں ان کی درج ذیل آراء سے کیا جا سکتا ہے:

(۱) ولی: بعض تذکرہ نگاروں نے ان کا نام ولی محمد لکھا ہے اور ان کو موجد ریختہ جانتے ہیں لیکن مقتضائے تحقیق یہ ہے کہ ان کے زمانے کے آگے بھی دکھن میں شعرائے ریختہ گو موجود

Scanned by CamScanner

تھے۔(ص ۶۰)

"ان کے اشعار فارسی و ریختہ پُر درد ہوتے ہیں۔" (ص ۲۲)

(۲) درد: "فن شاعری میں سب سے پیش قدم اور میر کے ہم عصر تھے" (ص ۳۰)

(۳) سودا: "بلند فکر اور عالی طبع، زبان زد خاص و عام ہے۔" (ص ۵۰)

(۴) مومن: "ریختہ گویوں میں اس قدرت کا شاعر پیدا نہیں ہوا۔"

(۵) ذوق: مضامین تازہ و عالی و عاشقانہ خوب باندھتے ہیں۔" (ص ۲۵)

(۶) آتش: "اردو زبان انہی کے سبب سے درست ہو کر اس درجے کو پہنچی۔" (ص ۱)

(۷) مصحفی: "خوش سخن و نام آور ان کامل فن سے تھے۔" (ص ۴۰)

(۸) رند: ان کا کلام نزاکت اور فصاحت سے بھرا' زبان شستہ و صاف' بڑے فصیح اور عاشق مزاج تھے۔" (ص ۲۷)

طلبہ کی درسی سہولت اور ضرورت کے پیش نظر ایڈورڈ سیل نے انتخاب کلام کے متن میں جا بجا مشکل الفاظ کے معنی اور اوزان و بحور کی تفصیل درج کی ہے۔ جس سے تذکرے کی تفہیم میں اضافہ ہو گیا ہے۔

اردو تذکرہ نگاری کی تاریخ اور ذکر و اذکار میں جامع الاشعار کا نام شاذ و نادر ہی موجود ہے جس سے یہ تذکرہ گمنام ہو کر رہ گیا ہے۔ حالانکہ بعض خوبیوں کی بنا پر اسے شہرت عام اور بقائے دوام نہیں تو کم از کم تاریخ ادب میں متعارف ضرور ہونا چاہیے تھا۔ کیا یہ خوبی کم ہے کہ ایڈورڈ سیل ذاتی پسند ناپسند اور ادبی تعصبات سے بالاتر اور غیر جانبدار ہیں۔ کیا اس تذکرے کے پاس کسی اہم یونیورسٹی کے نصاب میں شامل ہونے کے لیے یہ جواز اہم اور کافی نہیں؟ جامع الاشعار مطبوعہ صورت میں ساٹھ صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں انیس اہم شعراء کے تراجم مع انتخاب کلام درج ہیں۔ سرورق کی عبارت درج ذیل ہے۔

JAMI-UL-ASHAAR

جامع الاشعار

معہ تذکرۃ الشعراء

جس کو جناب رورنڈ ایڈورڈ سیل صاحب بی۔ ڈی۔ دام فیضہ' منتظم مدرسہ ہارس و گورلا نگٹن و فیلو

Scanned by CamScanner

آف مدراس یونیورسٹی و ممتحن عربی و فارسی وار دو طلبائے یونیورسٹی نے حسب ایما جناب جے۔ بی۔ گریگ صاحب بہادر دام اقبالہ، و ڈیریکٹر سرشتہ تعلیم ممالک مدراس، بکمال تحقیق و تفتیش اساتذہ اردو کے کلام فصاحت انجام سے تالیف کی اور ڈیریکٹر صاحب محتشم الیہ نے مڈل سکول کے امتحان کے لیے مقرر کیا۔

حسب منشاء دفعہ ۱۹ اگست ۲۵، ۱۸۶۷ء رجسٹر ہو کر مطبع نظام المطابع میں مطبوع ہوئی۔ ماہ اکتوبر مدراس ۱۸۸۳ء عیسویہ آخری بات مطبوعہ نسخے کی املا کے بارے میں۔ یہ متن بخط مخطوطہ کتابت ہوا ہے۔ یائے معروف اور مجہول، ہائیہ اور غیر ہائیہ حروف میں امتیاز نہیں اور اکثر الفاظ بلا جواز جوڑ کر لکھے گئے ہیں۔ ٹ، ڈ اور ڑ کا املا دو نقطوں کے اوپر ایک چھوٹا سا خط دے کر کیا گیا ہے۔ اس تذکرے کا املائی اور لسانی مطالعہ اہل تحقیق کے لیے خود ایک اچھا موضوع ہے۔

جامع الاشعار کا سوانحی حصہ:

۱۔ آتش: تخلص خواجہ حیدر علی مرحوم خلف علی بخش، باشندہ لکھنو کا۔ یہ شاعر بڑے عالی فکر، رندانہ روش، بے باکانہ وضع رکھتے تھے۔ اردو شاعروں میں یہ بڑے مستند ہیں۔ بلکہ اکثر لوگوں کا قول ہے کہ اردو زبان انہی کے سبب سے درست ہو کر اس درجے کو پہنچی۔ ان کا دیوان فصاحت بیان، نکتہ ہائے برجستہ، زبان پاکیزہ، عبارتِ شستہ، رنگینی معنی، شوخی مضمون، غرابتِ تشبیہہ، تازگی طرز اور اقسام سخن سے مملو ہے 1۔ اکثر اشعار ان کے عاشقانہ ہوتے ہیں۔ ہندوستان میں کوئی شہر ایسا نہ ہوگا جہاں دس پانچ ان کے شاگرد نہ ہوں۔ ان کو غلام ہمدانی مصحفی سے تلمذ تھا۔ آتش اور ناسخ دونوں ہم عصر تھے۔ (ص۔1)

۲۔ اسحاق: تخلص برگزیدۂ آفاق، مولوی محمد اسحاق صاحب ولد رسا کا ہے۔ مولد ان کا شہر بیجاپور ہے۔ بعد اس کے بتقاضائے آب و خور، مدھرہ میں آبسے تھے۔ سنہ ایک ہزار ایک سو اسی پر دو میں پیدا ہوئے اور چار بھائی رکھتے تھے۔ 2 ویس برس کی عمر میں جو سنہ ایک ہزار دو سو چھے تھا۔3، کتاب مستطاب ریاض العارفین بفرمایش کسی دوست محمد یعقوب نامی کے، بزبانِ دکھنی تصنیف کی۔ (ص ۵)

۳۔ اسیر: تخلص شاعر بے نظیر منشی والا تدبیر، تدبیر الدولہ، مدبر الملک سید مظفر علی خان بہادر مرحوم کا ہے۔ مولد ان کا قصبہ امیٹھی ضلع لکھنو ہے۔ ان کے تمام بزرگ سیّد عباسیہ، عالم، فاضل اور عہدہ دار

سرکار شاہی رہے۔ بارا برس کی عمر سے اپنے نانہال مقام لکھنو میں تحصیل علوم میں مصروف ہوئے اور چند روز میں تمام علوم سے بہرہ یاب ہو گئے۔ فن شاعری جناب غلام ہمدانی متخلص بہ مصحفی سے سیکھا اور آخر شاہی میں مصاحب حضرت واجد علی شاہ سابق بادشاہ اودھ کے رہے۔ تصنیفات میں دو دیوان بزبان اردو، ایک مسمی بہ گلستان سخن، دوسرا مسمی بہ ریاض حقیقت اور ایک دیوان فارسی مسمی بہ گلشنِ تعشق نہایت مشہور ہیں۔ علاوہ ان کے اور بہت سی تصنیفات مختلف علوم میں ہیں اور ۱۲۹۹ھ 4 '(ایک ہزار دو سو نو پر نو ہجری) میں بعارضۂ اسہال کبدی انتقال کیا۔ (ص ۹)

۴۔ امانت: سید آغا حسن صاحب متخلص بہ امانت ابن میر آغا ابن سید علی ابن سید محمد تقی بن سید علی رضوی مشہدی، کلید برادر روضۂ جناب موسیٰ کاظم علیہ اسلام۔ ۱۲۳۱ ہجری 5' میں پیدا ہوئے۔ سنِ شعور سے تحصیل علوم کا شوق تھا۔ پندرھویں برس شاعری کی جانب طبیعت راغب ہوئی۔ دو چار سلام کہے۔ دلگیر صاحب سے اصلاح لی۔ انہوں نے امانت تخلص رکھا۔ چند روز کے بعد غزل گوئی کی طرف رجحان ہوا۔ بیس برس کی عمر میں امراض باردہ کے باعث زبان بند ہوگئی۔ تحریر کے ذریعے سے باتیں کرنے لگے۔ اور چونکہ سوائے لکھنے کے اور کسی کام کے نہیں رہے تھے، اس وجہ سے شاعری میں کامل ہو گئے۔ بڑے بڑے لوگ شاگرد ہوئے۔ ۱۲۶۳ ہجری 6 میں ایک محفل قرار دی اور تمام امراء اور روسا اور شعرا کو جمع کیا۔ ان کی غزلیں، مثنوی، ٹھمریاں، دادرے، ہولی، بسنت، ساون، چھند وغیرہ خاص و عام کی زبان پر جاری ہیں۔ آخر آخر زمانے میں پہیلیاں، چیستان اور معما لکھنے کا شوق ہوا تھا۔

۲۸ جمادی الاول ۱۲۷۵ ہجری مطابق ۱۸۵۸ عیسوی میں ۴۴ برس کے ہوکر استقا کے عارضے سے راہی ملک بقا ہوئے۔ (ص ۱۲)

۵۔ حسن، تخلص ہے میر حسن ولد میر غلام حسین ضاحک کا۔ ان کے ماں باپ بمقتضائے آب و دانہ اپنا وطنِ اصلی ہرات کو چھوڑ کر پرانی دلّی میں آ بسے تھے۔ چنانچہ میر حسن دلی ہی میں پیدا ہوئے۔ بعد نشو و نما شاعری اختیار کی۔ پہلے میر درد صاحب کے شاگرد ہوئے اور بعد بربادی سلطنت دہلی مع اپنے والد بزرگوار کے فیض آباد میں آ کر مقیم ہوئے۔ یہاں فیض آباد میں کبھی میر ضیاء الدین ضیا اور کبھی میرزا رفیع السودا سے اصلاح لیتے تھے۔ غزل، قصیدہ، مثنوی باقی اور تمام اقسام سخن

میں شہرت پائی۔ جب مثنوی قصہ بے نظیر کہہ کر نواب آصف الدولہ بہادر کے حضور میں سنائی، تب انہوں نے ایک دوستانہ ملبوس خاص عنایت فرمایا لیکن عجیب واقع ہوا کہ مثنوی سناتے سناتے نواب آصف الدولہ بہادر کی مدح میں یہ مصرع نکل آیا:

''کہ اک دن دوشالے دیے سات سوٗ'۔ اور چونکہ آصف الدولہ بہادر نے ایک دن میں چودہ سو دوشالے بانٹے تھے پس یہ مصرع سن کر نہایت بد دماغ ہوئے بلکہ مشہور ہے کہ قید بھی کیا۔ اس وجہ سے بعض لوگ مثنوی کو منحوس کہتے ہیں۔ الغرض میر حسن نے غرہ محرم ۱۲۰۱ ہجری ۸ میں وفات پائی اور عقب باغ نواب قاسم علی خاں بہادر واقع محلّہ مفتی گنج بلدہ لکھنو میں مدفون ہوئے۔

میر حسن تین بیٹے چھوڑ کر مرے تھے۔ جن کے تخلص خلیق، مخلوق اور خلق ہیں۔ خلیق کے تین بیٹے اب تک حیات ہیں۔ بڑے بیٹے میر ببر علی صاحب انیس تخلص، مرثیہ گوئی میں یکتائے زمانہ ہیں اور ایک طرز خاص کے موجود ہیں۔ زبان ان کی نہایت صاف، تمام ہندوستان میں ان کے کلام مشہور ہیں۔ منجھلے بیٹے میر مہر علی صاحب انس بھی مرثیہ گوئی میں اپنے برادر بزرگ کے قدم بقدم ہیں اور چھوٹے صاحب میر نواب تخلص بہ مونس9 غزل گوئی میں بھی مشہور و معروف ہیں۔ ان کی غزلیں اکثر شہر میں گائی جاتی ہیں۔ (ص ۱۵، ۱۶)

۶۔ حیدر، تخلص مولوی غلام حیدر صاحب رئیس گو پامو، اور اس سخنور نامی کی تصانیف بہت سی ہیں۔ چنانچہ شجرۂ معرفت: ترجمہ منتخبات مولوی روم جس کو کمالِ الطاف سے شعر بہ شعر نظم اردو میں لکھا اور گلدستہ شجاعت: ترجمہ سکندر نامہ بری و بحری حضرت خواجہ نظام الدین کا اور کنز الاسرار: ترجمہ اردو شاہ بو علی قلندر، اسی زبان آور کی تصنیف سے ہے۔ (ص ۱۸)

۷۔ درد، تخلص حضرت خواجہ میر درؔد، خلف الرشید خواجہ ناصر عندلیب علیہا الرحمتہ۔ ان کے اشعار فارسی و ریختہ نہایت پُر درد ہوتے ہیں۔ وصال ان کا روز آدینہ بست و چہارم صفر ۱۱۹۹ (گیارا سو ننانوے)10 ہجری میں ہوا۔ نالۂ درد و آہِ سرد و سوز دل و شمع محفل و دیوان ان کی نظر سے گزری۔ (ص ۲۲)

۸۔ ذوق، تخلص خاقانی ہند شیخ محمد ابراہیم دہلوی، استادِ جنت آرام گاہ بہادر شاہ ظفر بادشاہ دہلی۔ شاگرد نصیر دہلوی، جمیع اصناف سخن پر قادر تھے۔ مضامین تازہ و عالی و عاشقانہ خوب باندھتے تھے۔

Scanned by CamScanner

ریختہ گویوں میں اس قدرت کا شاعر پیدا نہیں ہوا۔ ۱۲۷۱ (بارہ سو اکہتر) ہجری میں راہی ملک بقا ہوئے۔ دیوان ان کا نظر سے گزرا۔ عبدالغفور خالدی متخلص بہ نساخ نے یہ تاریخ ان کے انتقال کی کہی ہے:

کی قضا جو ذوق نے افسوس ہے — مرگ کا اس کی جہاں کو غم بجا ہے
سال کا نساخ نے مصرع یہ لکھا ہے — انتقالِ شاعرِ کامل ہوا ہے (ص ۴۵)

۹۔ رند، تخلص ہے نواب سید محمد خان ابن نواب سراج الدولہ غیاث الدین محمد خان بہادر نصرت جنگ نیشاپوری نواسہ نواب نجف خان بہادر باشندۂ فیض آباد مقیم لکھنو کا۔ صاحب دیوان ہیں اور خواجہ حیدر علی آتش کے تلامذہ میں سے تھے۔ ان کا کلام نزاکت اور فصاحت سے بھرا، زبان شستہ وصاف۔ بڑے فصیح اور عاشق مزاج تھے۔ (ص ۴۷)

۱۰۔ سودا، تخلص ہے مرزا محمد رفیع سرخیل شعرائے عالی مقام کا۔ زمانہ ان کا عہد نواب سعادت علی خان میں تھا۔ خلف الرشید مرزا محمد شفیع کے ہیں۔ اصل ان کی کابل سے ہے اور مولد شاہ جہان آباد ہے۔ بعض لوگ باشندۂ دہلی کہتے ہیں۔ صاحب دیوان ہیں۔ اردو و فارسی میں ان کے دیوان موجود ہیں۔ ان کے قصائد بہت مشہور و معروف۔ ہجو کہنے کے بادشاہ تھے۔ پہلے سلیمان قلی خان و داد کے شاگرد ہوئے، پھر شیخ ظہور الدین عرف شاہ حاتم کے۔ سنِ شباب میں لکھنؤ میں آئے تھے اور یہیں انتقال کیا۔ مقربان بارگاہ نواب آصف الدولہ بہادر سے تھے اور فن شاعری میں سب سے پیش قدم اور میر کے ہم عصر تھے۔ (ص ۳۰)

۱۱۔ غالب، تخلص، نام ان کا اسد اللہ خان اور شاہ دہلی کی طرف سے نجم الدولہ دبیر الملک نظام جنگ خطاب ہے۔ ۱۷۹۵ عیسوی میں خاص شہر دہلی میں متولد ہوئے۔ ان کے والد کا نام عبداللہ بیگ خاں قوم اتراک سے ہیں۔ مرزا غالب کے دادا کسی بات پر اپنے باپ سے ناراض ہو کر ہند میں آئے اور لاہور میں معین الملک کے نوکر ہوئے۔ بعدہٗ دہلی میں آ کر بادشاہی ملازمت اختیار کی۔ والد ماجد ان کے یہیں پیدا ہوئے اور دتی سے اجڑ کر اکبر آباد میں جا رہے۔ مرزا غالب کا سنِ پانچ برس کا تھا جب ان کے باپ نے قضا کی۔ تب نصر اللہ بیگ خان ان کے چچا نے ان کو

Scanned by CamScanner

پرورش کیا۔ وہ از جانب مرہٹہ اکبر آباد کے صوبہ دار تھے۔ بعدٗ لیک صاحب بہادر گورنر جنرل کی طرف سے چار سو سوار کے رسالہ دار ہو کر دو پرگنوں کے جاگیردار ہوئے۔ آخر کو وہ جاگیر ۱۸۰۶ء میں ضبط ہوگئی اور اس کے عوض تنخواہ ملنے لگی۔ جب تو مرزا غالب شاہ جہان آباد میں آ کر آباد ہوئے اور گوشہ نشینی اختیار کی۔ فارسی میں ایک آتش پرست کے شاگرد تھے اور زبان اردو میں فقط میر کے معتقد تھے۔

۲ ذیعقدہ ۱۲۷۸ ہجری میں مطابق ۱۸۶۹ عیسوی 12 کو اس دارفانی سے کوچ فرمایا اور دیوان قصائد فارسی و غزلیات فارسی اور نثر فارسی میں تاریخ مہر نیم روز اور انشائے پنج آہنگ، قاطع برہان و تاریخ دستنبو اور اردو میں ایک دیوان غزلیات مختصر موجود ہے۔ (ص ۳۵ و ۳۶)

۱۲۔ گویا، تخلص حسام الدولہ نواب فقیر محمد خان ولد بلند خان قوم آفریدی ساکن کولہار، شاگرد خواجہ وزیر۔ لکھنو کے امرائے نامی میں سے تھے۔ دیوان ان کا نظر سے گزرا۔ شعر صاف و عاشقانہ اچھا کہتے ہیں۔ (ص ۳۸)

۱۳۔ مصحفی، تخلص ہے سخن سنج بے عدیل و بے نظیر شیخ غلام ہمدانی ساکن قصبہ امروہہ من مضافات مراد آباد۔ مشاہیر شعرائے خوش سخن اور نام آورانِ کامل فن سے تھے۔ عنفوانِ جوانی میں جہان آباد میں آ کر رہے مگر آخر کو لکھنو ایسا بھایا کہ تمام عمر اپنی یہاں بسر کی۔ سودا کے آخری زمانے میں ان کی ابتدا ہوئی تھی۔ جرأت اور انشا کے ساتھ مشاعرات کیے ہیں۔ انھوں نے اردو میں چھ دیوان اور دو تذکرے اور فارسی میں ایک دیوان اور تذکرہ جمع کیا ہے۔ ممالک مشرقی میں بہت مشہور ہوئے اور اکثر سخنوران نے اکتساب فن شاعری ان سے کیا۔ ۱۲۴۰ ہجری 13 میں وفات پائی۔ ص ۴۲)

۱۴۔ منشی، تخلص ہے منشی مولچند قوم کایست، ساکن دہلی، شاگرد شاہ نصیر دہلوی مرحوم اور ملازم سلطانی حضرت شاہ عالم بادشاہ کے۔ اکثر ظل سبحانی کے حضور میں قصائد مدحیہ پڑھتے رہے۔ بہت ممتاز تھے۔ بہت سے شاہی فرمانوں پر ان کے دستخط موجود ہیں۔ انہوں نے شمشیر خانی کو اردو میں نظم کیا ہے۔ ۱۸۳۲ (اٹھارا سو بتیس) عیسوی میں انتقال کیا۔ (ص ۴۳)

۱۵۔ مومن، تخلص ہے محمد مومن خان دہلوی کا جن کی بلندی فکر اور علو طبع زبان زد خاص و عام ہے۔

Scanned by CamScanner

ایک دیوان ضخیم کہ اصناف سخن پر مشتمل ہے اور مثنویات متعدد مثل قصہ غم اور شکایت ستم اور قول غمیں اور تفِ آتشیں، اس یکتائے زمانہ سے صفحۂ روزگار پر یادگار ہیں۔ ہر چند کہ زبان اردو میں تو اس سخن سنج کی یکتائی کا علم بلند ہی تھا مگر فارسی میں بھی شہرۂ آفاق تھے، لیکن فارسی کلام جمع کرنے کی نوبت نہیں پہنچی تھی کہ ناگاہ ایک مکان کی چھت پر سے لغزش پا کے باعث گر پڑے۔ دست و بازو میں صدمہ پہنچا۔ کئی مہینے تک اس کی تکلیف میں مبتلا رہ کر ۱۸۵۱ عیسوی میں راہی خلد بریں ہوئے۔ (ص۔۵۰)

۱۶۔ میر، تخلص میر محمد تقی اکبر آبادی ولد میر عبداللہ ہمشیر زادہ و شاگرد سراج الدین علی خان آرزو۔ عنفوان شباب میں دہلی میں (آ) گئے تھے۔ وہاں سے لکھنو میں جا کر سکونت اختیار کی۔ نواب آصف الدولہ بہادر کی سرکار سے ان کا وظیفہ مقرر ہوا تھا۔ ۱۲۲۵ (بارہ سو پچیس) ہجری 14 میں فوت کی۔ سوائے قصیدے کے جمیع اصناف سخن پر قادر تھے۔ اشعار ان کے بعنایت مرتبہ رتبہ بلند رکھتے ہیں۔ فرط اشتہار سے حاجت بیان نہیں۔ مثنوی و غزل گوئی میں استاد مسلم الثبوت گذرے۔ ان کی استادی سے کسی کو انکار نہیں۔ جو درد کہ ان کے کلام میں ہے کسی شاعرِ ریختہ گو کے کلام میں نہیں۔ ان کے چھ دیوان ریختہ مع قصاید و مثنوی نظر سے گزرے۔ ایک دیوان فارسی اور ایک تذکرہ شعراء اور ایک رسالۂ میر فیض (فیض میر) بھی ان سے یادگار ہیں۔ (ص۵۲)

۱۷۔ ناسخ تخلص ہے شیخ امام بخش ولد خدا بخش کا۔ بقولے خدا بخش خیمہ دوزی کرتے تھے اور شیخ ناسخ ان کے متبنیٰ تھے۔ مولد ناسخ فیض آباد تھا اور مسکن لکھنو۔ ۱۲۵۴ ہجری 15 میں انتقال کیا اور مقام ٹکسال واقع چوک قدیم لکھنو اپنے گھر میں مدفون ہوئے۔ میر علی اوسط رشک نے یہ مصرع تاریخ وفات ہجری کہا ہے۔ مصرع: ''دلا شعر گوئی اُٹھی لکھنو سے'' شاعری میں کسی کے شاگرد نہ تھے۔ ان کے مکان پر بڑے بڑے استاد جمع ہوتے تھے۔ انہی کی صحبت میں شوق شعر گوئی بڑھا۔ رفتہ رفتہ محنت کر کے استاد نکلے۔ علوم عربیہ خصوصی منطق اور علم فارسی، صرف، حافظ وارث علی لکھنوی سے حاصل کیا۔ زمانہ غازی الدین حیدر بادشاہ میں ان کی شاعری کو نہایت ترقی ہوئی۔ یہاں تک کہ بادشاہ نے ان کا شہرہ سن کو معتمد الدولہ وزیر سے کہا کہ اگر ناسخ حضور کی ملازمت اختیار کرے تو خطاب ملک الشعراء اُسے مل سکتا ہے۔ شیخ نے منظور نہ کیا اور کہا کہ اگر مرزا سلیمان شکوہ

Scanned by CamScanner

شہزادہ دہلی یا گورنر جنرل کی طرف سے مجھے خطاب ملے تو البتہ راضی ہوں۔ بادشاہ یہ سن کر ناراض ہو گئے اور حکم اخراج کا دیا۔ ناسخ الہ آباد کو چلے گئے اور وہاں محلہ دائرے میں مقیم رہے۔ چنانچہ خود کہا ہے:

پھر پھر کے دائرے میں ہی رکھتا ہوں میں قدم
آئی کہاں سے گردش پرکار پاؤں میں

ان کی تصنیفات میں ایک کلیات اور ایک مثنوی حدیث مفصل جس کا نام رشک نے "نظم سراج" رکھا ہے، موجود ہے۔ ان کے بہت شاگرد نامی صاحب دیوان ہیں۔ (ص ۵۲)

۱۸۔ وزیر، تخلص، خواجہ وزیر لکھنوی خلف خواجہ محمد فقیر شاگرد امام بخش ناسخ۔ سلسلہ ان کے نسب کا خواجہ بہاء الدین نقشبند علیہ الرحمتہ سے ملتا ہے۔ اپنے طرز پر شعر اچھا کہتے تھے۔ بائیسویں ماہ ذیقعد ۱۲۷۰ (بارہ سو ستر) ہجری 16 میں فوت کی۔ دیوان ان کا نظر سے گزرا۔ (ص ۵۸)

۱۹۔ ولی، تخلص شاہ ولی اللہ، اولاد میں شاہ وجیہہ الدین گجراتی علیہ الرحمتہ کے تھے۔ عالمگیر بادشاہ کے عہد میں دہلی میں آئے تھے۔ بعضے تذکرہ والوں نے ان کا نام ولی محمد لکھا ہے اور ان کو موجد ریختہ جانتے ہیں لیکن مقتضائے تحقیق یہ ہے کہ ان کے زمانے کے آگے بھی دکھن میں شعرائے ریختہ گو موجود تھے۔ غرض یہ اپنے وقت کے استاد تھے۔ دیوان ان کا مشہور ہے۔ (ص ۔ ۶۰)

حواشی

(۱) بھرا ہوا۔ (حاشیہ مصنف) (۲) ۱۷۷۱ء (۳) ۱۷۹۲ء۔ (۴) ۱۸۷۵ء (۵) ۱۸۸۲ء (۶) ۱۸۱۲ء (۷) ۱۸۴۷ء (۸) ۳ جنوری ۱۸۵۹ء (۹) جون ۱۷۹۴ء۔ (۱۰) ۱۲۹۲ ہجری انتقال کیا۔ (حاشیہ مصنف) ۱۸۷۵ء (۱۱) ۷ جنوری ۱۷۸۵ء بروز جمعہ (۱۲) ۱۸۵۵ء (۱۳) ۳ مئی ۱۸۶۲ء (۱۴) ۱۸۲۴ء (۱۵) ۱۸۱۰ء (۱۶) ۱۸۳۸ء (۱۷) ۱۸۵۴ء

Scanned by CamScanner

تعلیقات

آتش، آباؤ اجداد بغداد سے ترک وطن کر کے دہلی آئے۔ ان کے والد شجاع الدولہ کے عہد میں فیض آباد گئے۔ ۱۸۴۷ء میں وفات پائی۔ علی اوسط رشک نے مادۂ تاریخ: ''خواجہ حیدر علی اے وائے مردند'' سے موزوں کیا ہے۔ امام بخش ناسخ سے ادبی چشمک تھی۔ جس کا ذکر سعادت خان ناصر نے بھی کیا ہے۔

اہم مآخذ، خوش معرکہ زیبا (سعادت خان ناصر)۔ مقدمہ کلام آتش (خلیل الرحمٰن اعظمی) لکھنو کا دبستان شاعری (ڈاکٹر ابواللیث صدیقی)

اسیر: والد کا نام سید مدد علی تھا جو محمد صالح کڑوی کی اولاد میں تھے۔ بادشاہ (واجد علی شاہ) گاہے گاہے اپنے کلام میں بھی آپ سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ بعد غدر نواب یوسف علی خان ناظم والی رامپور نے قدردانی فرما کر رام پور طلب کر لیا۔ امیر مینائی اپنے تذکرے میں فرماتے ہیں کہ اردو کے چھ دیوان تھے۔ قابل حیرت پر گوئی کے ساتھ ساتھ اچھا کہتے تھے۔ عروض میں یگانہ عصر تسلیم کیے جاتے تھے۔ اہم مآخذ: خمخانہ جاوید (لالہ سری رام) جلد اول۔ انتخاب یادگار (امیر مینائی)

امانت: ان کی تصانیف سے دیوان خزائن الفصاحت۔ گلدستہ امانت، اندر سبھا، واسوخت اور اکثر مرثیے شائع ہو چکے ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھیے۔

مآخذ خمخانہ جاوید (لالہ سری رام) جلد اول،

حسن، میر حسن ۱۷۴۱ء کے قریب پیدا ہوئے والد غلام حسین ضاحک بن میر برات اللہ بن میر امامی موسوی شاگرد ضیاء الدین ضیا۔ تصانیف: تذکرہ شعرائے اردو (بزبان فارسی)، دیوان اردو، بارہ مثنویاں اہم مآخذ۔ میر حسن اور ان کا عہد (ڈاکٹر وحید قریشی) مقالات تحقیق (ڈاکٹر وحید قریشی) گلشن ہند (علی لطف) شعرائے اردو (میر حسن) مجموعہ نغز (قدرت اللہ قاسم) ریاض

Scanned by CamScanner

الفصحا (مصحفی)

درد: ولادت ۱۱۳۳ھ / ۱۷۲۰ء، نوجوانی میں سپاہی پیشہ تھے۔ ۱۱۶۲ھ / ۱۷۴۹ء میں اس شغل کو ترک کر کے درویشی کا لباس پہن لیا۔ چھوٹی بڑی تصانیف کی تعداد ۱۲ ہے۔ دیوان اردو کے علاوہ باقی سب تصانیف فارسی میں ہیں۔

اہم مآخذ۔ نکات الشعراء (میر تقی میر) مجموعہ نغز (قدرت اللہ قاسم) طبقات الشعراء (قدرت اللہ شوق) خمخانہ جاوید (لالہ سری رام) تاریخ ادب اردو (ڈاکٹر جمیل جالبی)

ذوق: ولادت: ۱۷۸۸ء وفات: ۱۸۵۴ء اردو کلیات مجلس ترقی ادب لاہور سے شائع ہو چکا ہے۔

اہم مآخذ۔ حیات ذوق (احمد حسن لاہوری) ذوق سوانح اور انتقاد (ڈاکٹر تنویر احمد علوی)

رند: تاریخ ولادت: ۱۱ ربیع الاول ۱۲۲۲ھ / ۱۷۹۷ء مقام: فیض آباد۔ سفر حج کے دوران وفات پائی۔

مآخذ: گل رعنا (مولوی عبدالحی) خمخانہ جاوید (لالہ سری رام) لکھنو کا دبستان شاعری (ڈاکٹر ابواللیث صدیقی)

سودا: ولادت: ۱۱۱۸ھ / ۱۷۰۶ء۔ وفات ۱۱۹۵ھ / ۱۷۸۱ء۔

اہم مآخذ: سودا (شیخ چاند) خوش معرکہ زیبا (سعادت خان ناصر) نکات الشعراء (میر تقی میر) مقدمہ کلیات سودا (ڈاکٹر شمس الدین صدیقی) مرزا رفیع سودا (ڈاکٹر خلیق انجم)

غالب: ولادت: ۷ جنوری ۱۷۹۷ء بمقام اکبر آباد۔ تصانیف: کلیات نظم فارسی، کلیات نثر فارسی، اردوئے معلیٰ، دیوان اردو، قادر نامہ، عود ہندی، سبد چین، مکاتیب غالب

اہم مآخذ: غالب (مولانا غلام رسول مہر) ذکر غالب (مالک رام) رموز غالب (ڈاکٹر گیان چند) غالب شخصیت و کردار (پروفیسر لطیف اللہ) توقیت غالب (کاظم علی خان) غالب کی خاندانی پنشن اور دیگر امور (ڈاکٹر گوہر نوشاہی) مطالعہ غالب (ایضاً)

گویا: رسالہ دار فقیر محمد گویا لکھنوی شاگرد رشید خواجہ وزیر لکھنوی۔ ان کے بزرگ اور یہ خود دربار شاہی لکھنو میں خدمات جلیلہ پر سرفراز تھے۔ ابتدائے سنِ شعور سے شعر کا شوق تھا۔ عالی حوصلہ، بلند ہمت رئیس گزرے ہیں۔ دیوان چھپ چکا ہے۔

اہم مآخذ: خمخانہ جاوید (لالہ سری رام) سخن شعرا (عبدالغفور نساخ) طبقات الشعراء (کریم الدین پانی پتی) یادگار شعرا (ڈاکٹر شپرنگر)۔

Scanned by CamScanner

مصحفی: والد کا نام ولی محمد اور دادا کا نام درویش محمد تھا۔ آبائی وطن اکبر پور تھا۔ ۱۱۴۱ھ اور ۱۱۴۸ھ کے درمیان اکبر پور میں متولد ہوئے۔ میر حسن کے بقول کچھ عرصہ تجارت پیشہ رہے۔ ۱۷۸۴ء کے قریب دہلی سے لکھنؤ گئے۔ انشاء اللہ کے ساتھ نزاع کی تفصیل سعادت خان ناصر نے لکھی ہے۔ کلیات اردو، کلیات فارسی، عربی کلام، شعراء کے تین تذکرے، مثنویاں اور متعدد علمی کارناموں کی کل تعداد پندرہ سے زائد ہے۔ حافظ قرآن تھے۔ تذکروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصحفی بلند مرتبہ شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ پائے کے نقاد اور سخن فہم بھی تھے۔

مآخذ: ریاض العارفین (مصحفی) خوش معرکہ زیبا (سعادت خاں ناصر) طبقات الشعراء (قدرت اللہ شوق)

منشی: اہم مآخذ: قصہ خسروان عجم مول چند منشی خوش معرکہ زیبا (سعادت خاں ناصر) گلشن بے خار (مصطفیٰ خان شیفتہ) گلستان سخن (قادر بخش صابر) مقدمہ شاہنامہ اردو (ڈاکٹر گوہر نوشاہی) قصہ خسروان عجم کی پاکستانی اشاعت ۱۹۹۰ء میں کلچرل قونصلیٹ جمہوری اسلامی ایران، اسلام آباد کی وساطت سے عمل میں آئی۔

مومن: وفات: ۱۲۶۸ھ / ۱۸۵۲ء مومن نے وفات سے پہلے زخمی ہوکر خود مادہ تاریخ موزوں کیا۔ ''شکست دست و بازو''

اہم مآخذ: مومن (کلب علی خان فائق رام پوری) مومن اور مطالعہ مومن (ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی)

میر: ولادت: ۱۱۳۵ھ / ۱۷۲۲ء۔ وفات: ۲۰ شعبان ۱۲۲۵ھ / ۲۰ ستمبر ۱۸۱۰ء

تصانیف: کلیات غزلیات ارو، مثنویات، تذکرہ نکات الشعراء، ذکر میر (آپ بیتی) فیض میر، دیوان فارسی، مزامیر۔

اہم مآخذ۔ تاریخ محمدی (میرزا محمد بن رستم معتمد خاں) نکات الشعراء (میر) گلشن ہند (مرزا علی لطف)۔ خوش معرکہ زیبا (سعادت خان ناصر) مجموعہ نغز (قدرت اللہ قاسم) نقد میر (ڈاکٹر سید عبداللہ)۔ میر تقی میر حیات اور شاعری (خواجہ احمد فاروقی) میر محمد تقی (ڈاکٹر عبادت بریلوی) تاریخ ادب اردو (ڈاکٹر جمیل جالبی)

ناسخ: وفات: ۱۸۳۸ء اہم مآخذ: خوش معرکہ زیبا (سعادت خان ناصر) گل رعنا (مولوی عبدالحی) لکھنؤ کا دبستان شاعری (ڈاکٹر ابواللیث صدیقی)

Scanned by CamScanner

وزیر: اہم مآخذ: خوش معرکہ زیبا (سعادت خان ناصر) خمخانہ جاوید (لالہ سری رام)

ولی: سوانحی تفصیل کے لیے دیکھیے: دکن میں اردو (نصیر الدین ہاشمی) تاریخ ادب اردو (ڈاکٹر جمیل جالبی) تاریخ ادبیات مسلمانان پاک و ہند چھٹی جلد (پنجاب یونیورسٹی) ولی سے اقبال تک (ڈاکٹر عبداللہ) ولی گجراتی (ظہیر الدین مدنی)

کتابیات

ایڈورڈ سیل: جامع الاشعار، مطبع نظام المطابع مدراس، اکتوبر ۱۸۸۳ء

بک لینڈ: ڈکشنری آف انڈین بایوگرافی، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور 1985

مرزا اسد اللہ خان غالب: عود ہندی، مجلس ترقی ادب لاہور۔

امام بخش صہبائی، مولوی: انتخاب دواوین مرتبہ ڈاکٹر تنویر احمد علوی، شعبہ اردو دہلی یونیورسٹی دہلی ۱۹۸۷ء

فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، نگار پاکستان، تذکروں کا تذکرہ نمبر، سالنامہ ۱۹۶۴ء کراچی۔

جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، مجلس ترقی ادب لاہور۔

ڈاکٹر گوہر نوشاہی: غالب کی خاندانی پنشن اور دیگر امور، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد

Scanned by CamScanner